قول وفعل میں بلا کا تضاد اور بنیادی فرق ہے۔ اگر مجھے کوئی اس بات کا یقین دلائے کہ کل کو ہندوستان کے کسی قصبہ کی گلی میں یا کسی شہر کے کسی کوچہ میں حکومتِ الٰہیہ کا قیام اور شریعتِ اسلامیہ کا نفاذ ہونے والا ہے تو ربِّ کعبہ کی قسم! میں آج ہی اپنا سب کچھ چھوڑ کر آپ کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہوں۔"

"لیکن یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ جو لوگ اپنی اڑھائی من کی لاش اور چھ فٹ کے قد پر اسلامی قوانین نافذ نہیں کر سکتے۔ جن کا اُٹھنا بیٹھنا، جن کا سونا، جن کا جاگنا، جن کی وضع قطع، جن کا رہن سہن، بول چال، زبان وتہذیب، کھانا پینا اور لباس وغیرہ غرض کہ کوئی چیز بھی اسلام کے مطابق نہ ہو وہ دس کروڑ کی انسانی آبادی کے ایک قطعۂ زمین پر اسلامی قوانین کس طرح نافذ کر سکتے ہیں؟ یہ ایک فریب ہے اور میں یہ فریب کھانے کے لئے تیار نہیں"۔ . . . .

"ہندو اپنی مکّاری اور عیّاری سے پاکستان کو ہمیشہ تنگ کرتا رہے گا۔ اُسے کمزور بنانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔ اس تقسیم کی بدولت آپ کے دریاؤں کا پانی روک لے گا۔ آپ کی معیشت تباہ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ آپ کی یہ حالت ہوگی کہ بوقتِ ضرورت مشرقی پاکستان مغربی پاکستان کی اور مغربی پاکستان مشرقی پاکستان کی کوئی سی مدد کرنے سے قاصر ہوگا۔ اندرونی طور پر پاکستان میں چند خاندانوں کی حکومت ہوگی اور یہ خاندان زمینداروں، صنعت کاروں اور سرمایہ داروں کے خاندان ہوں گے۔ امیر دن بدن امیر تر ہوتا چلا جائے گا اور غریب غریب تر۔"

(روزنامہ الجمعیتہ دہلی، ۲۸ را پریل ۱۹۴۶ء بحوالہ کر دار قائدِ اعظم مصنفہ منشی عبدالرحمٰن خانؒ)

شاہ جیؒ کی یہ چند باتیں تھیں جو قارئین کی خدمت میں پیش کی گئیں ورنہ ان کی زبان کا ایک ایک بول ایک انمول موتی تھا۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا جس شخص نے ابوحنیفۂ وقت حضرت مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہٗ خلیفۂ ارشد حکیم الامت تھانویؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا ہو اور شیخ العصر، خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے چہرہ سے علم کشید کیا ہو اس کے منہ سے ایسی باتیں غیر متوقع بھی نہیں۔ کیا ہی اچھا ہو اگر شاہ جیؒ کے صاحبزادگان اور عقیدتمندان شاہ جی کی تقاریر اور ملفوظات کو زیورِ طباعت سے آراستہ کر کے اگلی نسل کو پہنچائیں تاکہ انہیں شاہ جی کی قدر معلوم ہو۔

از: حکیم محمود احمد ظفر ـ سیالکوٹ

قسط ۱

اسلام اور نبوّت

جس طرح اسلام میں خدا، آخرت، اعمال اور عذاب و ثواب کا تصور دوسرے مذاہب وادیان سے علیحدہ ہے، اسی طرح نبی اور اس کی نبوت کا تصور بھی دنیا کے دوسرے سب ادیان سے الگ اور جداگانہ ہے۔ کئی ادیان اور مذاہب تو سرے سے نبوّت ہی کا انکار کرتے ہیں۔ کئی نبوّت کو تو مانتے ہیں لیکن نبوّت میں خدا تعالیٰ کے حلول و اتحاد اور قرابت و والدت کے نظریہ کے قائل ہیں جو کہ خالق و مخلوق کی سرحدوں کو آپس میں ملا دیتا ہے۔ کئی مذاہب نبی کو خود خدا کا وجود تصور کرتے ہیں جو انسانی ہیکل میں عالم لاہوت سے عالم ناسوت میں خاص اغراض کے تحت جلوہ گر ہوتا ہے۔ کئی مذاہب نبوت کے متعلق کچھ ایسے نظریات رکھتے ہیں جن سے حق تعالیٰ اور نبی کے درمیان کسی نہ کسی طریقہ سے شراکت کی کچھ نہ کچھ پرچھائیاں فرور نظر آتی ہیں۔ لیکن اسلام کا "تصورِ نبوت" ان سب مذاہب وادیان سے جداگانہ اور بالاتر ہے۔ وہ نہ تو براہمہ کی طرح نبی کو حق تعالیٰ کا اوتار اور بروز تصور کرتا ہے اور نہ ہی عیسائیت کی طرح اسے ایک عام انسان کی طرح گنہ ہوں سے ملوّث گردانتا ہے بلکہ وہ خدا کو اپنے مقام پر اور نبی کو اپنے مقام پر رکھتا ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ ؎

گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی

وہ کبھی بھی نبی کو ایسے مقام پر نہیں لے جاتا جہاں عبدیت و معبودیت کی سرحدیں آپس میں ملتی ہوں اور عیسائیت کی طرح نبی اور خدا میں کسی قسم کا التباس واقع ہوتا ہو۔ جس سے پھر اس کی ایسی تاویلیں کرنی پڑیں کہ وہ مسئلہ عقلی اور فکری مسئلہ نہ رہے بلکہ ایمان کے بھیدوں میں سے ایک بھید بن جائے۔ عیسائیت کی تاریخ ہمارے سامنے ہے کہ پہلے تو انہوں نے جناب عیسیٰ علیہ السلام میں الوہیت کی کچھ شئون و صفات دکھائیں اور پھر جب دنیا کے مفکروں

نے عقل و فکر اور علم و خرد کی کسوٹی پر ان کو پرکھنا شروع کیا تو ایمان کا بھید کہہ کر راہِ فرار تلاش کی گئی۔ چنانچہ عقیدہ اتھانیسس (ATHANASIS) میں جو کہ عیسائی عقائد میں سے ایک بنیادی عقیدہ ہے، صاف اور غیر مبہم الفاظ میں مرقوم ہے۔

"خدا میں تین شخص ہیں۔ باپ، بیٹا، روح القدس۔ خدا اس پاک تثلیث کا پہلا شخص جو بیٹے اور روح القدس کا شروع ہے۔ یہ تینوں شخص آپس میں بالکل برابر ہیں۔ ان میں کچھ فرق نہیں۔ اس لئے تینوں یکساں الٰہی عزت کے لائق ہیں۔ یسوع مسیح سچا خدا اور سچا آدمی بھی ہے۔ اور مقدسہ مریم سچ مچ خدا کی ماں بنی۔ باپ خاص کر قادرِ مطلق اس لئے نہیں کہلاتا کہ وہ زیادہ قدرت والا ہے بلکہ اس لئے کہ پاک نوشتوں میں قدرت باپ کی، دانائی بیٹے کی اور پاکیزگی روح القدس کی کہلاتی ہے۔"

(مسیحی تعلیم، باب پاک تثلیث ص ۱۹-۲۷، لاہور)

اس عقل و خرد اور فطرت کے خلاف بات کو جب مفکرین نے فکر و نظر کے ترازو میں تولنا شروع کیا تو ان کے اعتراضات سے بچنے کے لئے اور مسیحی بھیڑوں کو اپنے سے جدا ہونے سے بچانے کے لئے یہ کہہ دیا۔

"ہم اس بات کو ٹھیک نہیں سمجھ سکتے کیوں کہ ایمان کا یہ ایک بھید ہے۔"

(حوالہ مذکور ص ۲)

جیسا کہ کہا گیا ہے کہ اسلام کا تصورِ نبوت ان تمام تصورات سے جدا ہے جو دوسرے مذاہب و ادیان نے پیش کئے ہیں۔ وہ کہیں بھی خالق و مخلوق کو ذات و صفات کے لحاظ سے ملنے نہیں دیتا بلکہ ہر ایک کو اس کا اپنا مقام عطا کرتا ہے۔ چنانچہ حکیم الامت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

الوجدان الصریح یحکم	وجدان صریح اس بات کا اقرار
بان العبد عبد وان ترقی	کرتا ہے کہ بندہ بندہ ہی ہے خواہ
والرب رب وان تنزل	وہ کتنا ہی ارتقائی منازل طے کیوں

وان العبد قط لا یتصف بالوجوب او بالصفات اللازمہ للوجوب۔ (تفہیمات الٰہیہ جلد ۱ صفحہ ۱۸۴)

نہ کرے اور رب رب ہی ہے خواہ وہ اپنے بندے کے کتنا ہی قریب کیوں نہ آجائے۔ اور بندہ کبھی بھی درجۂ وجوب یا ان صفات کو جو ذات واجب کے لئے لازم ہیں حاصل نہیں کر سکتا۔

نبوت کے متعلق اسلام کے تصور کو ویسے تو امام ابوالحسن الاشعریؒ، قاضی ابوبکر الباقلانیؒ علامہ ابن حزم اندلسیؒ، ابواسحاق اسفرائینیؒ، علامہ عبدالکریم الشہرستانیؒ، امام غزالیؒ، امام فخرالدین رازیؒ، علامہ سیف الدین آمدیؒ، علامہ ابن خلدونؒ، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ وغیرہم متکلمین اور محققین نے اپنی اپنی کتابوں میں تفصیل سے بیان کیا ہے لیکن متقدمین میں امام غزالیؒ نے "المنقذ من الضلال" اور "معارج القدس" میں اور متاخرین میں حکیم الامت شاہ ولی اللہ نے "حجۃ اللہ البالغۃ" میں اور حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنی مختلف کتابوں میں نہایت تحقیقی اور علمی پیرایہ میں اس مسئلہ کو بیان فرمایا ہے بلکہ حضرت شاہ صاحبؒ اور حجۃ الاسلام مولانا نانوتویؒ نے سینکڑوں برس کی تحقیقات کا عطر اور نچوڑ اپنی کتابوں کے چند اوراق کے سینہ میں بند کر کے رکھ دیا ہے۔

نبی کی تعریف:

نبوت کے دوسرے پہلوؤں پر گفتگو کرنے سے قبل نبی کی تعریف بیان کر دینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ اصل مسئلہ صحیح طور پر ذہن نشین ہو سکے۔

"نبی" کا لفظ مشتق ہے "نَبَأٌ" سے جس کے معنی ہیں خبر۔ لیکن لغتِ عرب میں ہر خبر "نبأ" نہیں کہلاتی بلکہ "نبأ" اس خبر کو کہتے ہیں جس میں تین چیزیں ہوں۔

۱۔ خبر فائدے کی ہو۔

۲۔ فائدہ بھی معمولی نہیں بلکہ عظیم الشان ہو۔

۳۔ اور اس خبر کے سننے والے کو اطمینانِ قلب اور یقینِ کامل حاصل ہو۔

چنانچہ علامہ راغب اصفہانیؒ "نَبَاءٌ" کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اَلنَّبَاءُ خَبَرٌ ذُوفَائِدَۃٍ	نباءٌ اُس خبر کو کہتے ہیں جو بڑے
عظیمۃٍ یَحصلُ بِہٖ عِلمٌ	فائدے والی ہو اور اُس سے علم
اَوْغلبۃُ ظنٍ وَلَا یُقَالُ	یقین یا ایسا علم جس پر یقین غالب
لِلْخَبَرِ فی الاصل نَبَاءٌ	ہو، حاصل ہو اور کسی خبر کو اُس
حَتّٰی یتضمنَ ھذہِ الاشیاء	وقت تک "نباءٌ" نہیں کہتے جب
الثَّلَاثَۃَ	تک اُن میں یہ تینوں چیزیں نہ ہوں۔

اس معنی کی رو سے نبی کی تعریف یہ ہوئی کہ نبی وہ انسان ہے جو حق تعالیٰ کے بندوں کو حق تعالیٰ کی جانب سے نفع اور فائدے کی ایسی عظیم الشان خبریں سنائے جن تک ان کی نارسا عقلیں پہنچنے سے قاصر ہوں۔ گویا کہ "نبَاءٌ" اُس خبر کو کہتے ہیں جس میں تین باتیں پائی جائیں۔

١۔ خبر فائدہ مند ہو

٢۔ خبر اہم اور عظیم ہو

٣۔ خبر ایسی ہو کہ اُس کے سننے سے اول تو یقین حاصل ہو ورنہ کم از کم غلبۂ ظن حاصل ہو۔

"نبَاءٌ" پر مزید تفصیلی بحث کرتے ہوئے علامہ اصفہانیؒ مزید لکھتے ہیں:

النبوّۃ سفارۃ بین اللّٰہ وبین	نبوّت اللہ تعالیٰ اور اُس کے بندوں
ذوی العقول من عبادہ لا	کے درمیان سفارت کو کہتے ہیں جس
زاحۃ علّتھم فی امر معادھم	سے ان کی دنیا اور آخرت کی
ومعاشھم والنبی لکونہ مُنَبِّئاً	بیماریاں دور ہوتی ہیں اور نبی چونکہ
بما تسکن الیہ العقول الذکیۃ	ایسی باتوں سے آگاہ کرتا ہے جس
وھو یصح ان یکون فعیلاً بمعنی فاعلٍ	سے عقلِ سلیم کو تسکین ہوتی ہے، اس
وان یکون بمعنی المفعول	وجہ سے یہ فاعل اور مفعول ہر دونوں
(المفردات صـ٤٩٩)	کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔